© rasailojaraid.com

نظرات

موت العالِم موت العالَم

متوفی ۱۹۸۳ء

وا دریغا! دودمان قاسمی کا لعل شب چراغ گم ہو گیا۔ چمن زار دار العلوم دیوبند کا گل سر سبد مرگ کی باد صرصر سے نذر خزاں ہو گیا، بزم علم و عرفان کی شمع فروزاں بجھ گئی، حسن بیان و خطابت کے ایوان میں زلزلہ آگیا، مسند وعظ و مصطبۂ ارشاد و ہدایت بے رونق ہو گئے، یعنی ۱۷ر جولائی کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کم و بیش ۸۸ برس کی عمر میں عالم آب و گل کو خیر آباد کہہ کر عالم آخرت کی طرف منتقل ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، شب میں عشاء کی نماز کے بعد ہزاروں ماتم گساروں کے مجمع میں نماز جنازہ دار العلوم کے احاطۂ مولسری میں ادا کی گئی، اور پھر تدفین جد امجد نور اللہ مرقدہٗ کے پہلو میں ہوئی، اس طرح گویا

پہونچی وہیں پہ خاک کہ جس کا خمیر تھی

کل من علیہا فان ○ ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مرحوم جب پیدا ہوئے یہ دار العلوم دیوبند کے اوج شباب کا زمانہ تھا۔ اساتذۂ کرام اپنے اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھے جن کے علم وفضل اور مہارت فن کا آوازہ ممالک غیر میں بھی دور دور تک پہونچا ہوا تھا۔ پھر اس دور کی ایک بڑی اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ اصحاب درس وتدریس خود بھی روحانی اور باطنی کمالات کے حامل اور جامع ہوتے تھے، اور ان کے علاوہ تھانہ بھون، سہارنپور اور دیوبند میں مستقل طور پر طریقت و معرفت کی درس گاہیں قائم تھیں اور دار العلوم جس کا نام تھا وہ درحقیقت انھیں دونوں قسم کے علوم وفنون کی تعلیم وتربیت گاہ تھا، غرض کہ ایک طرف یہ سرچشمہائے فیض تھے جو پوری آب وتاب کے ساتھ رواں دواں تھے اور دوسری جانب حضرت مرحوم خانوادۂ قاسمی کے چشم وچراغ ہونے کے باعث ہر ایک کے نور نظر اور لخت جگر تھے اور خود بھی ذاتی طور پر نہایت ذہین اور طباع، روشن ضمیر ونکتہ رس تھے اور طلب علم کا جوہر فطری رکھتے تھے، پھر کسر کس بات کی تھی، جوان ہوئے تو حافظ قرآن اور قاری خوش الحان ہونے کے ساتھ ایک پختہ استعداد کے بالغ النظر عالم ہوگئے۔

اس زمانہ میں دار العلوم کے مہتمم اگرچہ حضرت مرحوم کے والد ماجد حافظ محمد احمد صاحب مرحوم تھے لیکن اہتمام کا سارا کام نائب مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کرتے تھے جو عربی زبان کے ادیب اور بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ حد درجہ ذہین، معاملہ فہم اور اعلیٰ درجہ کے مدبر اور منتظم تھے، سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بلا کے مردم شناس اور مردم آفریں تھے، وہ مدرسہ کے ہونہار طلباء پر کڑی نگاہ رکھتے تھے چنانچہ اس قسم کے طلبا میں سے جب کوئی فارغ التحصیل ہوتا تو اس کو روک لیتے، اور اس کے ذوق اور استعداد کے مطابق مدرسہ کی کوئی خدمت اس کے سپرد کر دیتے تھے۔ اسی قسم کے فارغ التحصیل طلبا کے لئے انھوں نے مدرسہ میں معین المدرسین کا ایک شعبہ قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بکھر رکھا تھا، حق یہ ہے کہ اپنے اس جوہر مردم شناسی و مردم آفرینی کے زیر سایہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے نامور اساتذہ علم وفن، مقرر اور خطیب، مناظر اور واعظ، مفتی، مصنف، صحافی، شاعر اور ادیب، اس کثرت سے پیدا کیے کہ انھوں نے ملک میں پھیل کر ہر شعبۂ زندگی میں اپنا اثر و نفوذ قائم کیا۔

ظاہر ہے، مولانا کی نگہ دوررس سے معدن قاسمی کا یہ گوہر تاباں کیونکر مخفی رہ سکتا تھا، آپ نے موصوف کو اپنی تربیت خاص کی آغوش میں لے کر اس طرح تربیت کی کہ موصوف کی فطرت و طبیعت کا ایک ایک جوہر قابل نشوونما پانے اور پروان چڑھنے لگا، چنانچہ آپ درس تو دیتے ہی تھے حسن بیان و خطابت کی خلقی استعداد و صلاحیت کے باعث جلسوں میں تقریر کی غرض سے اِدھر اُدھر بھی بھیجے جانے لگے، لیکن سوال یہ تھا کہ گلبن دار العلوم کے اس نہال نو کا آئندہ کیریر (career) کیا ہو؟ موصوف میں اہتمام و انتظام کی صلاحیت بہت اچھی تھی، علاوہ ازیں ان اوصاف و کمالات سے بھی متصف تھے جو مدرسہ کی ترقی و توسیع میں ممد و معاون ہو سکتی تھیں، ان امور کے پیش نظر مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے فیصلہ کیا کہ انھیں آئندہ مدرسہ کا مہتمم ہونا ہے، چنانچہ آپ نے ان کو اپنا معین و مددگار یعنی نائب مہتمم مقرر کر لیا۔

یہ ذکر اس زمانہ کا ہے جب کہ راقم الحروف دار العلوم دیوبند کا طالب علم تھا۔ اس کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کا انتقال ہو گیا تو مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم بنا دیئے گئے، اگرچہ آپ کی شہرت اور ملک میں مقبولیت کا آغاز نیابت اہتمام کے زمانہ میں ہی ہو گیا تھا۔ لیکن مہتمم ہونے کے بعد وقت آیا کہ آپ کے اوصاف و کمالات پورے طور پر ابھریں اور جلا پائیں، یہ کمالات تین قسم کے تھے، علمی، عملی اور اخلاقی، اول الذکر کمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہ تھا کہ علوم و فنون میں پختہ استعداد کے ساتھ ایک طرف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات و تالیفات پر گہری نظر رکھتے تھے اور دوسری جانب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے، ظاہر ہے کہ جو شخص ان دونوں نابغۂ روزگار بزرگوں کے علوم و فنون پر حاوی ہو اس کو شریعت و طریقت کا رمز شناس و نکتہ داں بننے کے لئے اور کیا درکار ہے پھر اس پر حسن تقریر و خطابت کا ملکۂ خداداد سونے پر سہاگہ! گھنٹوں بولتے تھے، زبان بڑی شگفتہ اور شائستہ، کہیں کہیں ظرافت اور مزاح کے چھینٹے، آواز از اول تا آخر یکساں، نہ زیر و بم نہ اتار چڑھاؤ، مگر ساتھ ہی منطقی استدلال اور فلسفیانہ تشقیق، اس لئے تقریر عوام و خواص دونوں کے کام کی، بات سے بات اور نکتہ در نکتہ، پھر معلومات کی کثرت اور طبیعت کی روانی کا یہ عالم کہ کیا مجال، ایک تقریر کا مضمون دوسری تقریر میں مکرر آجائے، میرے نزدیک یہ سب کچھ فیضان حضرت نانوتویؒ اور حضرت تھانویؒ کا تھا۔

عملی کمال یہ تھا کہ کارکردگی کی صلاحیت غیر معمولی تھی۔ جس کام کو کرتے تھے پوری توجہ اور یکسوئی سے کرتے تھے۔ ہم نے بارہا دیکھا ہے، ایک مجمع میں بیٹھے ہیں، لوگ بات چیت میں مصروف ہیں اور آپ ایک گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے اور کاتبوں کی طرح بیٹھے کوئی مضمون مسلسل لکھے جا رہے ہیں، خالی بیٹھنا تو جانتے ہی نہ تھے، ہر وقت کام سے کام تھا، اخلاقی اعتبار سے وہ اس شعر کا مصداق تھے۔

هينون لينون ايسار ذوو كرم
سواس مكرمة ابناء ايسار

خندہ جبین و شگفتہ، نرم دم گفتگو اور نرم خو، حلیم و بردبار، متواضع و منکسر المزاج، پھر ظاہری حسن و وجاہت بھی ایسی کہ ہزاروں میں ایک نظر آتے تھے، حسن قرأت کا یہ عالم کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجد آفریں و کیف آور، غرض کہ یہ کمالات سہ گانہ تھے جنھوں نے مولانا کی شخصیت کو برصغیر کے علماء میں بہت نمایاں اور ممتاز کر دیا تھا اور آپ سچ مچ سرخیل طائفہ بن گئے تھے اللہ کے فضل و کرم سے عمر کافی طویل پائی، اس لئے جس طرح آپ کے اہتمام کی مدت دارالعلوم کے تمام سابق مہتمموں کی مدت اہتمام سے زیادہ ہے، اسی طرح مدرسہ میں جو توسیع وترقی آپ کے عہد میں ہوئی کسی کے عہد میں نہیں، آپ کی فیض رسانی کا دائرہ برصغیر تک محدود نہیں رہا بلکہ ایشیا اور افریقہ کے دور دراز خطوں کے علاوہ امریکہ اور یورپ پر محیط ہوگیا، اس لئے آپ کا حادثۂ وفات عالم اسلام کا وہ عظیم دوسرا المیہ ہے جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد پیش آیا ہے، آپ کے سانحۂ ارتحال سے دارالعلوم دیوبند کا ایک دور اور ایک عہد ختم ہوگیا۔

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اور حضرت قاری صاحب دونوں ہم جماعت اور ہم درس ہونے کے علاوہ وہ بھی صاحبزادہ اور یہ بھی صاحبزادہ، اس لئے ہم مرتبہ ہم مقام بھی تھے، اس لئے دونوں میں بڑی دوستی اور بڑی بے تکلفی تھی، لیکن میں ایک جونیر طالب علم تھا۔ اس لئے حضرت مرحوم سے کوئی سابقہ نہ تھا۔ البتہ ان کے برادر خورد مولوی محمد طاہر مرحوم بڑے ہنسوڑ، خوش مزاج ویار باش انسان تھے، ان سے بڑی دوستی اور بے تکلفی تھی، میں ان کے گھر جاتا اور وہ میرے کمرہ میں آتے اور ہم دونوں گھنٹوں گلخپ کرتے رہتے تھے، البتہ سنہ ۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ کا ممبر منتخب ہوا تو اب حضرت مرحوم سے بھی ذاتی تعلقات پیدا ہوگئے جو محض رسمی اور واجبی نہ تھے بلکہ حقیقی اور قلبی وروحانی تھے، اب ان سے صرف ادب و احترام کا تعلق نہ تھا بلکہ محبت اور تعلق خاطر کا بھی تھا، محبت کبھی یک طرفہ نہیں ہوتی، بلکہ متعدی ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ ادھر بھی ایسا ہی تھا۔ اس کا پائدار ثبوت یہ ہے کہ حضرت کا ذوق شعر و ادب بھی بڑا پاکیزہ تھا اور خود بھی قادر الکلام شاعر تھے، ایک مرتبہ انھوں نے اپنے ایک قصیدہ کے ایسے چند اشعار خود اپنے قلم سے لکھ کر مجھ کو عنایت فرمائے جن میں از راہ شفقت بزرگانہ اس ہیچ میرز کی نسبت ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا تھا جن کو پڑھ کر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا، میں نے یہ تحریر تبرک سمجھ کر حفاظت سے رکھ لی، ایک مرتبہ خیال ہوا کہ تحدیث نعمت کے طور پر ان اشعار کو برہان میں چھاپ دوں، لیکن خود ستائی کے ڈر سے، جہاں میں برہان کی ڈاک کے اس قسم کے روزانہ دو تین خط نہیں چھاپتا۔ ان اشعار کو بھی صرف اپنے تک محدود رکھا۔ آج یہ شفقت و محبت اور التفات خاص و مراعات یاد آتے ہیں تو دل بے چین ہو جاتا اور تڑپ اٹھتا ہے اور یہ حادثہ ملی و قومی ہی نہیں، بلکہ ذاتی اور شخصی بھی ہو جاتا ہے، مگر بہر حال بقول غالب:

صبر کرتے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

© rasailojaraid.com